اہلِ قلم کی ایک جماعت
زیرِ نظر
اُستاد محقق آیتُ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی
تفسیرِ نمونہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی
مِصباحُ القرآن ٹرسٹ

آثرِ نگارش

اہلِ قلم کی ایک جماعت

زیرِ نظر

اُستاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیرِ نمونہ

جلد ۳

ترجمہ

حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ

مصباحُ القرآن ٹرسٹ

نام کتاب ________ تفسیر نمونہ

جلد نمبر ________ ۳

زیر نظر ________ آیت اللہ العظمی ناصر مکارم شیرازی

مترجم ________ حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی

نظر ثانی ________ ثاقب اکبر نقوی

ناشر ________ مصباح القرآن ٹرسٹ

مطبع ________ بلو بٹ پریس

تاریخ اشاعت ________ اگست 2011ء

ہدیہ ________

اس جلد کے اخراجات سید تسلیم حیدر زیدی صاحب نے ادا کئے۔
ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ صدقہ محمدؐ و آل محمدؐ ان کی توفیقات میں
اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے

ادارہ

قرآن سنٹر

۲۴/ الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ فون نمبر: ۷۲۳۱۴۳۱۱

یہ تفسیر

حسب ذیل علماء و مجتہدین کی باہمی کاوش قلم کا نتیجہ ہے

- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد رضا آشتیانی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد جعفر امامی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے داؤد الہامی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے اسد اللہ ایمانی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے عبد الرسول حسنی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید حسن شجاعی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید نور اللہ طباطبائی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمود عبد اللہی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محسن قرائتی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد محمدی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

۶۷۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ○

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۶۷۔ اے پیغمبر جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے اسے کامل طور سے (لوگوں تک) پہنچا دو اور اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو گویا تم نے اس کا (کوئی) کار رسالت سرانجام ہی نہیں دیا اور خداوند تعالیٰ تمہیں لوگوں کے (ان تمام خطرات) سے (جن کا احتمال ہے) محفوظ رکھے گا اور خداوند تعالےٰ (ہٹ دھرم) کفار کی ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

انتخابِ جانشین پیغمبر ہی آخری کار رسالت تھا

اس آیت کا ایک مخصوص لب ولہجہ ہے جو اسے اس سے پہلی آیات اور اس کے بعد کی آیات سے ممتاز کرتا ہے اس آیت میں روئے سخن صرف پیغمبرؐ کی طرف ہے اور یہ آیت صرف انہی کی ذمہ داری کو بیان کرتی ہے۔(یاایھا الرسول) اے پیغمبر! سے اس آیت کی ابتدا ہو رہی ہے اور یہ آیت صراحت اور تاکید کے ساتھ پیغمبرؐ کو حکم دے رہی ہے کہ جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اُسے لوگوں تک پہنچا دیں (بلغ ما انزل الیك من ربك[1]) اس کے بعد (اس حکم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے) تاکید مزید کے طور پر اس خطرے سے متنبہ کرتا ہے کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا (حالانکہ وہ ہرگز اس کام کی سرانجام دہی کو ترک نہ کرتے) تو یہ ایسا ہو گا گویا تم نے (کوئی) کار رسالت سرانجام ہی نہیں دیا (وان لم تفعل فما بلغت رسالته)۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ کے اضطراب اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے: اس رسالت اور پیغام کی ادائیگی کے بارے میں تجھے پریشان ہونے کی ضرورت

---

[1] لفظ "بلغ" جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے "ابلغ" کی نسبت زیادہ تاکید کو ظاہر کرتا ہے۔

نہیں ہے کیونکہ خدا تمہیں اُن کے خطرات سے محفوظ رکھے گا (واللہ یعصمک من الناس)۔

اور آیت کے آخر میں اُن لوگوں سے جو اس مخصوص پیغام کا انکار کریں اور اس کے خلاف ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کفر اختیار کرلیں ایک تہدید اور سزا کے عنوان سے یوں کہتا ہے: خدا ہٹ دھرمی کرنے والے کافروں کو ہدایت نہیں کرتا (ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین)۔

آیت کے جملوں کی بندش، اس کا مخصوص لب و لہجہ اور اس میں پے در پے تاکیدیں اور آیت کا یاایھا الرسول سے شروع ہونا جو تمام قرآن مجید میں صرف دو مقام پر ہے اور اس حکم کی تعمیل اور اس رسالت کی تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں پیغمبر کو یہ تہدید کہ اگر تم نے اس حکم کے پہنچانے میں کوتاہی کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے کوئی کار رسالت سرانجام ہی نہیں دیا جو قرآن میں صرف اسی آیت میں ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ گفتگو کسی ایسے اہم امر کے متعلق ہو رہی ہے کہ جس کی تبلیغ نہ کرنا کوئی بھی کار رسالت سرانجام نہ دینے کے برابر ہے۔

اس کے علاوہ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ موضوع ایسا تھا جس پر شدت کے ساتھ مخالفت پیدا ہو چکی تھی اور اس موضوع کے مخالفین اتنے سخت تھے کہ اُن کی مخالفت کے پیش نظر پیغمبر بہت ہی پریشان تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس اعلان کو سن کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کردیں اسی لیے خداوند تعالیٰ انہیں تسلی دیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسا ایسا اہم مقصد و مطلب تھا جس کے پہنچانے کے لیے خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اتنی تاکید کے ساتھ حکم دے رہا ہے؟ دراں حالیکہ جب ہم اس سورہ کے نزول کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مسلماً پیغمبرؐ کی عمر کے آخری دنوں میں نازل ہوئی ہے۔

کیا یہ توحید اور شرک و بت پرستی سے مربوط مسائل تھے جو برسوں پہلے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے لیے حل ہو چکے تھے؟ یا یہ مسائل احکام شرع اور قوانین اسلام سے متعلق تھے؟ جبکہ اس وقت تک اُن کے اہم ترین مسائل بیان ہو چکے تھے۔

یا یہ مسائل اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے مربوط تھے؟ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ بنی النضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع نیز خیبر و فدک اور نصارائے نجران کے واقعے کے بعد اہل کتاب کا کوئی مسئلہ مسلمانوں کے لیے مشکل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

یا اس کا رابطہ منافقین کے ساتھ تھا؟ درانحالیکہ ہمیں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب اسلام کا پورے جزیرہ نمائے عرب پر تسلط اور نفوذ ہو گیا تو منافقین کا معاشرے میں کوئی مقام ہی نہیں رہا تھا اور ان کی قوت بالکل ہی ٹوٹ چکی تھی اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ ان کے باطن میں تھا۔

حقیقتاً اب وہ کونسا اہم مسئلہ تھا جو پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے آخری دنوں میں باقی رہ گیا تھا کہ مذکورہ بالا آیت جس کے بارے میں اس قسم کی تاکید کر رہی ہے۔

اس حقیقت میں بھی تردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ پیغمبرؐ کا اضطراب اور پریشانی اپنی ذات اور اپنے نفس کے لیے نہیں تھی بلکہ مخالفین کی طرف سے ان احتمالی کارشکنیوں اور مخالفتوں کے بارے میں تھی جن کا نتیجہ مسلمانوں کے لیے

خطرات اور نقصانات کی صورت میں نکلتا۔

تو کیا پیغمبرؐ کے جانشین کے تعین اور اسلام و مسلمین کی آئندہ سرنوشت کے سوا کوئی اور مسئلہ ایسا ہو سکتا ہے جس میں یہ صفات پائی جاتی ہوں۔

اب ہم اُن مختلف روایات کی طرف لوٹتے ہیں جو اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کی متعدد کتابوں میں آیتِ مذکورہ بالا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان روایات سے مذکورہ احتمال کے ثابت کرنے میں کہاں تک استفادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم اُن اعتراضات اور سوالات پر بحث کریں گے جو اس تفسیر کے بارے میں اہلِ سنت کے بہت سے مفسرین کی طرف سے ظاہر کیے گئے ہیں۔

آیۂ تبلیغ کی شان نزول

اگرچہ انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس آیت سے مربوط حقائق کسی قسم کی پردہ پوشی کے بغیر تمام مسلمانوں کے ہاتھوں تک نہیں پہنچائے گئے اور پہلے سے کیے گئے فیصلے اور مذہبی تعصبات اس کے اظہار سے مانع ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود اہلِ سنت کے علماء کی تحریر کردہ مختلف کتابوں میں خواہ وہ تفسیر کی کتابیں ہوں یا حدیث و تاریخ کی، اُن میں بہت زیادہ روایات ایسی ملتی ہیں جو صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ آیت مذکورہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان روایات کو بہت سے اصحاب پیغمبرؐ نے نقل کیا ہے۔ مثلاً زید ابن ارقم، ابوسعید خدری، ابن عباس، جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوہریرہ، براء ابن عازب، حذیفہ، عامر بن لیلیٰ بن ضمرہ اور ابن مسعود۔ یہ سب کے سب اصحاب پیغمبرؐ اس بات پر متفق ہیں کہ آیت مذکورہ حضرت علی علیہ السلام اور واقعہ غدیر کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے۔

یہ احادیث مذکورہ اصحاب پیغمبرؐ سے مختلف طرق سے بیان ہوئی ہیں مثلاً:

زید ابن ارقم کی بیان کردہ حدیث ایک طرق سے،

ابوسعید خدری کی بیان کردہ حدیث گیارہ طرق سے،

ابن عباس کی بیان کردہ حدیث گیارہ طرق سے اور

براء ابن عازب کی بیان کردہ حدیث تین طرق سے نقل کی گئی ہیں۔

جن علماء نے اپنی کتابوں میں ان احادیث کو تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے وہ بہت زیادہ ہیں جن میں سے بعض کے نام ہم نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

۱ حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب "مانزل من القرآن فی علی" میں بحوالہ خصائص ص ۲۹ یہ روایت درج کی ہے۔

۲ ابوالحسن واحدی نیشاپوری نے اسباب النزول ص ۱۵۰ میں۔

۳ حافظ ابوسعید سجستانی نے کتاب الولایۃ میں (کتاب طرائف کے حوالے سے)۔

۴ ابن عساکر شافعی نے (در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ کے حوالے سے)۔
۵ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۳۶ میں۔
۶ ابواسحاق حموینی نے فرائد السمطین میں۔
۷ ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ صفحہ ۲۷ پر۔
۸ جلال الدین سیوطی نے در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ میں۔
۹ قاضی شوکانی نے فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۵۷ میں
۱۰ شہاب الدین آلوسی شافعی نے روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۱۷۲ پر
۱۱ شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودة میں صفحہ ۱۲۰ پر
۱۲ بدرالدین حنفی نے عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۵۸۴ پر
۱۳ شیخ محمد عبدہ مصری نے تفسیر المنار جلد ۶ صفحہ ۴۶۳ پر
۱۴ حافظ ابن مردویہ (متوفی ۴۱۶ھ) نے (سیوطی کی در منثور کے حوالے سے)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء اہل سنت نے آیت مذکورہ کی یہی شان نزول بیان کی ہے۔ اس سے یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ مذکورہ علماء و مفسرین نے آیت کے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نزول کو قبول بھی کر لیا ہے بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس مطلب سے مربوط روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

اگرچہ اپنے معاشرے کے مخصوص حالات کے خوف سے یا پہلے سے کیے ہوئے غلط فیصلے کی بنا پر انہوں نے اسی مشہور روایت کو نقل کرنے کے باوجود قبول نہیں کیا اور عموماً پہلے سے طے شدہ رائے ایسے موقع پر صحیح فیصلہ کرنے میں حائل ہوتی ہے بعض نے تو یہ کوشش کی ہے کہ جتنا بھی ہو سکے اس کی اہمیت کو گھٹا کر پیش کیا جائے۔ مثلاً فخرالدین رازی نے جس کا تعصب مخصوص مذہبی مسائل میں مشہور و معروف ہے، اس شان نزول کی اہمیت کم کرنے کے لیے اسے آیت کا دسواں احتمال قرار دیا ہے اور دوسرے نو (۹) احتمال جو انتہائی کمزور اور بہت ہی بے ہودہ اور بے وقعت ہیں انہیں پہلے بیان کیا ہے۔

فخرالدین رازی پر زیادہ تعجب نہیں کیونکہ اس کی تو ہر جگہ یہی روش ہے لیکن تعجب تو ان روشن فکر لکھنے والوں پر ہوتا ہے جنہوں نے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں کہ جس سے مختلف قسم کی کتابیں بھری پڑی ہیں مطلقاً کوئی گفتگو ہی نہیں کی یا اس کو اتنی کم اہمیت دی ہے کہ کسی کی اس طرف توجہ ہی نہ جائے۔ جیسا کہ سید قطب نے فی ظلال میں اور محمد رشید رضا نے المنار میں اس کی شان نزول کو بالکل بیان ہی نہیں کیا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ آیا ان کا ماحول اس حقیقت کو بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا یا تعصب آمیز فکری حجاب اتنے زیادہ تھے کہ روشن فکری کی بجلی کی چمک ان پردوں کو ہٹا کر اس حقیقت کی گہرائی تک نہ پہنچ سکی۔

البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس آیت کی شان نزول کو حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں برملا طور پر

تسلیم کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ آیت مسئلہ ولایت و خلافت پر دلالت کرتی ہے ہم ان کے اعتراضات اور جوابات انشاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

بہر حال جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ وہ روایات جو اس بارے میں شیعہ کتب ہی میں نہیں بلکہ اہل سنت کی معروف کتابوں میں بھی ہیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا اور نہ ہی انہیں آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات کی شان نزول میں تو ایک دو احادیث پر ہی اکتفا کر لیا جاتا ہے لیکن اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اتنی کثیر روایات کو بھی کیوں کافی نہیں سمجھا جاتا؟ کیا یہ آیت ایسی خصوصیت رکھتی ہے جو دوسری آیات نہیں رکھتیں؟ اور کیا اس آیت کے سلسلے میں اس سخت رویے کے متعلق کوئی منطقی دلیل مل سکتی ہے؟

دوسری بات جس کی یاد دہانی اس مقام پر ضروری ہے یہ ہے کہ جو روایات ہم نے اوپر بیان کی ہیں وہ تو صرف وہ تھیں جو اس آیت کے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں (یعنی وہ روایات تھیں جو اس آیت کی شانِ نزول کے متعلق تھیں) ورنہ وہ روایات جو غدیر خم کے مقام پر پیغمبر اکرمؐ کے خطبہ پڑھنے اور حضرت علیؑ کا بطور وصی و ولی کے تعارف کرانے کے بارے میں منقول ہیں وہ تو ان سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ چنانچہ علامہ امینی نے اپنی کتاب "الغدیر" میں حدیث غدیر کو ۱۱۰ اصحاب پیغمبر سے اور ۸۴ تابعین سے اور ۳۶۰ علماء سے اور مشہور کتب اسلامی سے اسناد و مدارک کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ صورت حال اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مذکورہ حدیث قطعی ترین متواتر احادیث میں سے ہے اور اگر کوئی شخص ایسی حدیث و روایت کے قطعی و یقینی ہونے میں بھی شک و شبہ کرے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ وہ کسی بھی متواتر حدیث کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان تمام روایات کے متعلق بحث کرنا جو آیت کی شانِ نزول کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور اسی طرح اُن تمام روایات کے سلسلہ میں گفتگو کرنا جو حدیث غدیر کے متعلق نقل ہوئی ہیں ایک ضخیم کتاب کا محتاج ہے۔ ان کا تفصیلی بیان ہمیں تفسیر کے دائرے سے خارج کر دے گا لہٰذا ہم اسی مقدار پر قناعت کرتے ہیں اور ان اشخاص کو جو اس سلسلہ میں مزید مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ سیوطی کی "در منثور"، علامہ امینی کی "الغدیر"، قاضی نور اللہ شوستری کی "احقاق الحق"، شرف الدین کی "المراجعات" اور محمد حسن مظفر کی "دلائل الصدق" جیسی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

واقعہ غدیر کا خلاصہ

وہ بہت سی روایات جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں باوجودیکہ سب کی سب ایک ہی واقعہ کے گرد گھومتی ہیں پھر بھی طرح طرح کی تعبیرات کی حامل ہیں۔ بعض روایات بہت مفصل اور طویل ہیں، بعض مختصر لیکن جچی تلی ہیں، بعض روایات اس واقعہ کا ایک گوشہ بیان کرتی ہیں تو دوسری روایات اس واقعہ کے دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہوئی نظر آتی ہیں

لیکن ان تمام روایات کے مجموعے اور اسلامی تواریخ، قرائن وحالات اور ماحول ومقام واقعہ کے مطالعہ سے یہ واقعہ سامنے آتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کا آخری سال تھا۔ حجۃ الوداع کے مراسم جس قدر باوقار و پرشکوہ ہو سکتے اس قدر پیغمبر اکرمؐ کی ہمراہی میں اختتام پذیر ہوئے۔ سب کے دل روحانیت سے سرشار تھے ابھی ان کی روح اس عظیم عبادت کی معنوی لذت کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی۔ اصحاب پیغمبرؐ جن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس عظیم نعمت سے فیض یاب ہونے اور اس سعادت کے حاصل ہونے پر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔[1]

نہ صرف مدینے کے لوگ اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھے بلکہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مختلف حصوں کے مسلمان بھی یہ عظیم تاریخی اعزاز و افتخار حاصل کرنے کے لیے آپؐ کے ہمراہ تھے۔

سرزمین حجاز کا سورج دروں اور پہاڑوں پر آگ برسا رہا تھا لیکن اس سفر کی بے نظیر روحانی مٹھاس تمام تکلیفوں کو آسان بنا رہی تھی۔ زوال کا وقت نزدیک تھا۔ آہستہ آہستہ جحفہ کی سرزمین اور اس کے بعد خشک اور جلانے والے "غدیر خم" کے بیابان نظر آنے لگے۔

دراصل یہاں پر ایک چوراہا ہے جو حجاز کے لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ شمالی راستہ مدینہ کی طرف دوسرا مشرقی راستہ عراق کی طرف تیسرا راستہ مغربی ممالک اور مصر کی طرف اور چوتھا جنوبی راستہ سرزمین یمن کو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پر آخری مقصد اور اس عظیم سفر کا اہم ترین کام انجام پذیر ہونا تھا تاکہ مسلمان پیغمبرؐ کی اہم ذمہ داریوں میں سے اُن کا آخری حکم جان کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

جمعرات کا دن تھا اور ہجرت کا دسواں سال۔ آٹھ دن عید قربان کو گزرے تھے کہ اچانک پیغمبرؐ کی طرف سے ان کے ہمراہیوں کو ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ مسلمانوں نے بلند آواز سے اُن لوگوں کو جو قافلے کے آگے آگے چل رہے تھے واپس لوٹنے کے لیے پکارا اور اتنی دیر کے لیے ٹھہر گئے کہ پیچھے آنے والے لوگ بھی پہنچ جائیں۔ آفتاب خطِ نصف النہار سے گزر گیا تو پیغمبرؐ کے مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ لوگوں کو نمازِ ظہر پڑھنے کی دعوت دی۔ مسلمان جلدی جلدی نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن فضا اتنی گرم تھی کہ بعض لوگ مجبور تھے کہ وہ اپنی عبا کا کچھ حصہ پاؤں کے نیچے اور باقی سر کے اوپر لے لیں۔ ورنہ بیابان کی گرم ریت اور سورج کی شعاعیں ان کے سر اور پاؤں کو تکلیف دے رہی تھیں۔

اس صحرا میں کوئی سائبان نظر آتا تھا اور نہ ہی کوئی سبزہ یا گھاس صرف چند بے برگ و بار بیابانی درخت تھے جو گرمی کا سختی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے کچھ لوگ انہی چند درختوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور انہوں نے ان برہنہ درختوں پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا اور پیغمبرؐ کے لیے ایک سائبان سا بنا رکھا تھا لیکن گرم ہوا اس سائبان کے نیچے سے گزرتی ہوئی سورج کی جلانے والی گرمی کو اُس سائبان کے نیچے بھی پھیلا رہی تھی۔ بہرحال ظہر کی نماز پڑھ لی گئی۔

---

[1] پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ جانے والوں کی تعداد بعض نے ۹۰ ہزار، بعض نے ۱۱۴ ہزار، بعض نے ۱۲۰ ہزار اور بعض نے ۱۲۴ ہزار لکھی ہے۔

مسلمان ارادہ کر رہے تھے کہ فوراً اپنے چھوٹے چھوٹے خیموں میں جا کر پناہ لیں جو انہوں نے اپنے ساتھ اشجار کے تھے لیکن رسول اللہؐ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کا ایک نیا پیغام سننے کے لیے تیار ہوں جسے ایک مفصل خطبے کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

جو لوگ رسول اللہؐ سے دور تھے وہ پیغمبرؐ کا ملکوتی چہرہ اس عظیم اجتماع میں دور سے نہیں دیکھ پا رہے تھے لہٰذا اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ پیغمبرؐ اس کے اوپر تشریف لے گئے۔ پہلے پروردگار عالم کی حمد و ثنا بجا لائے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے یوں خطاب فرمایا: میں عنقریب خداوند تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے جا رہا ہوں میں بھی جوابدہ ہوں اور تم بھی جوابدہ ہو تم میرے بارے میں کیا گواہی دوگے لوگوں نے بلند آواز میں کہا نشهد انك قد بلغت ونصحت وجهدت فجزاك الله عنا یعنی ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے فریضہ رسالت انجام دیا اور خیرخواہی کی ذمہ داری کو انجام دیا اور ہماری ہدایت کی راہ میں سعی و کوشش کی، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت، میری رسالت اور روز قیامت کی حقانیت اور اس دن مردوں کے قبروں سے مبعوث ہونے کی گواہی نہیں دیتے؟

سب نے کہا: کیوں نہیں ہم سب گواہی دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا خداوندا گواہ رہنا۔

آپؐ نے مزید فرمایا لوگو! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں۔

اس کے بعد سارے بیابان پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: دیکھو! میں تمہارے درمیان دو گرانمایہ اور گرانقدر چیزیں بطور یادگار کے چھوڑے جا رہا ہوں تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟

حاضرین میں سے ایک شخص نے پکار کر کہا: یا رسول اللہؐ وہ دو گرانمایہ چیزیں کونسی ہیں؟

تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: پہلی چیز تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ثقل اکبر ہے۔ اس کا ایک سرا تو پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے، اس سے ہاتھ نہ ہٹانا ورنہ تم گمراہ ہو جاؤ گے اور دوسری گرانقدر یادگار میرے اہل بیت ہیں اور مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں مجھ سے آملیں گے۔

ان دونوں سے آگے بڑھنے (اور ان سے تجاوز کرنے) کی کوشش نہ کرنا اور نہ ہی ان سے پیچھے رہنا کہ اس صورت میں بھی تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

اچانک لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ اپنے اردگرد نگاہیں دوڑا رہے ہیں گویا کسی کو تلاش کر رہے ہیں جونہی آپؐ کی نظر حضرت علی علیہ السلام پر پڑی فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں اتنا بلند کیا کہ دونوں کی بغلوں کے نیچے کی سفیدی نظر آنے لگی اور سب لوگوں نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو اسلام کا وہی سپہ سالار ہے کہ جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔

اس موقع پر پیغمبرؐ کی آواز زیادہ نمایاں اور بلند ہوگئی اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ایھا الناس من اولی الناس بالمؤمنین من انفسہم

یعنی — اے لوگو! بتاؤ وہ کون ہے جو تمام لوگوں کی نسبت مومنین پر خود اُن سے زیادہ اولیت رکھتا ہے؟ اس پر سب حاضرین نے بہ یک آواز جواب دیا کہ خدا اور اس کا پیغمبرؐ بہتر جانتے ہیں۔

تو پیغمبرؐ نے فرمایا: خدا میرا مولا و رہبر ہے اور میں مومنین کا مولا و رہبر ہوں اور ان کے اوپر ان کی نسبت خود اُن سے زیادہ حق رکھتا ہوں (اور میرا ارادہ ان کے ارادے سے مقدم ہے)۔

اس کے بعد فرمایا:

فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یعنی جس جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس اس کا مولا و رہبر ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس جملے کی تین مرتبہ تکرار کی اور بعض راویوں کے قول کے مطابق پیغمبرؐ نے یہ جملہ چار مرتبہ دہرایا اور اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض من ابغضہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار۔

یعنی — بار الٰہا! جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ۔ جو اس سے محبت کرے تو اُس سے محبت کر اور جو اس سے بغض رکھے تو اُس سے بغض رکھ۔ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر جو اس کی مدد سے کنارہ کشی کرے تو اسے اپنی مدد سے محروم رکھ اور حق کو ادھر پھیر دے جدھر وہ رخ کرے۔

اس کے بعد فرمایا۔ الا فلیبلغ الشاھد الغائب یعنی تمام حاضرین آگاہ ہو جائیں اس بات پر کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو اُن لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں پر اور اس وقت موجود نہیں ہیں۔ پیغمبرؐ کا خطبہ ختم ہوگیا۔ پیغمبرؐ پسینے میں شرابور تھے حضرت علی علیہ السلام بھی پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ دوسرے تمام حاضرین کے بھی سر سے پاؤں تک پسینہ بہ رہا تھا۔ ابھی اس جمعیت کی صفیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئی تھیں کہ جبرئیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور تکمیل دین کی پیغمبرؐ کو بایں الفاظ بشارت دی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ---- الخ

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین اور آئین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا۔"

اتمام نعمت کا پیغام سن کر پیغمبرؐ نے فرمایا:

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی من بعدی۔

ہر طرح کی بزرگی و بڑائی خدا ہی کے لیے ہے کہ جس نے اپنے دین کو کامل فرمایا اور اپنی نعمت کو ہم پر تمام کیا اور میری نبوت و رسالت اور میرے بعد کے لیے علی کی ولایت کے لیے خوش ہوا۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا پیغمبرؐ کی زبان مبارک سے اعلان سُن کر حاضرین میں مبارک باد کا شور برپا ہوا لوگ بڑھ بڑھ کر اس اعزاز و منصب پر حضرت علیؑ کو اپنی طرف سے مبارک باد پیش کر رہے تھے معروف شخصیتوں میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرف سے مبارک باد کے یہ الفاظ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں کہ انہوں نے کہا

بخ بخ لك يا ابن ابي طالب اصبحت وامسيت مولاي و مولا كل مؤمن ومؤمنة

مبارک ہو! مبارک ہو! اے فرزند ابی طالب کہ آپ میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر ہو گئے۔

اس وقت ابن عباس نے کہا بخدا یہ عہد و پیمان سب کی گردنوں میں باقی رہے گا۔ عرب کے مشہور شاعر مداح رسولؐ حسان بن ثابت نے پیغمبرؐ سے اجازت لے کر اس موقع کی مناسبت سے ایک قصیدہ پڑھا جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

يناديهم يوم الغدير نبيهم ——— • ——— بخم و اسمع بالرسول مناديا

فقال فمن مولاكم و نبيكم ——— • ——— فقالوا ولم يبدوا هناك التعاميا

الٰهك مولانا و انت نبينا ——— • ——— ولم تلق منا في الولاية عاصيا

فقال له قم يا علي فانني ——— • ——— رضيتك من بعدي اماما وهاديا

فمن كنت مولاه فهذا وليه ——— • ——— فكونوا له اتباع صدق مواليا

هناك دعا اللهم وال وليه ——— • ——— وكن للذي عادا عليا معاديا

"یعنی پیغمبرؐ نے غدیر کے دن خم کے مقام پر انہیں ندا دی اور پکارا اور یہ پکارنے والا کس قدر گرامی قدر تھا۔"

"فرمایا، تمہارا مولا اور تمہارا نبی کون ہے؟ تو انہوں نے بلا تردد و صراحت کے ساتھ جواب دیا۔"

"کہ آپ کا خدا ہمارا مولا اور آپ ہمارے پیغمبر ہیں اور ہم آپ کی ولایت کے قبول کرنے سے روگردانی نہیں کریں گے۔"

"اس پر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد کے لیے امام اور رہبر منتخب کیا ہے۔"

"اس کے بعد فرمایا: جس شخص کا میں مولا و رہبر ہوں یہ علیؑ اس کے مولا و رہبر ہیں پس تم سچے دل سے ان کی پیروی کرنا۔"

"اس وقت پیغمبرؐ نے عرض کیا: بار الٰہا! اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھ۔"[1]

---

[1] یہ اشعار اہل سنت کے بہت سے علماء نے نقل کیے ہیں ان میں حافظ ابو نعیم اصفہانی، حافظ ابو سعید سجستانی، خوارزمی مالکی، حافظ ابو عبداللہ مرزبانی گنجی شافعی، جلال الدین سیوطی، سبط ابن جوزی اور صدر الدین حموی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

یہ تھا مشہور حدیث غدیر کا خلاصہ جو اہل سنت اور شیعہ کتب میں موجود ہے۔

جرح و تنقید اور اعتراضات

اس میں شک نہیں کہ اگر یہ آیت خلافت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے موضوع سے متعلق ہوتی، تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان روایات اور خود آیت میں موجود قرائن سے کم مقدار پر بھی قناعت کر لی جاتی جیسا کہ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مفسرین نے قرآن کریم کی باقی تمام آیات کی تعبیر میں بعض اوقات زیر نظر آیت کے موجود مدارک کے دسویں حصہ بلکہ اس سے بھی کم تر پر قناعت کر لی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس مقام پر تعصب کے پردے بہت سے حقائق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔

جن لوگوں نے اس آیت کی تفسیر اور ان متعدد روایات کے متعلق جو اس آیت کی شان نزول کے بارے میں بیان ہوئی ہیں اختلاف کیا ہے اور حد تواتر سے بڑھی ہوئی ان روایات کے مقابلے میں علم مخالفت بلند کیا ہے جو در اصل واقعہ غدیر کے متعلق ہیں دو قسم کے ہیں:۔

پہلی قسم ان لوگوں کی ہے کہ جو شروع ہی سے نہ صرف دشمنی اور ہٹ دھرمی سے اس پر بحث کرتے ہیں بلکہ انہوں نے شیعوں کی ہتک و توہین، بدگوئی اور دشنام طرازی کا راستہ اختیار کیا ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے روح تحقیق کی حفاظت کی ہے اور وہ کسی حد تک حقیقت کی تہ تک پہنچ گئے ہیں لہٰذا انہوں نے استدلال کی راہ اپنائی ہے اسی بنا پر انہوں نے حقائق کے ایک حصے کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس آیت اور اس سے مربوط روایات بیان کرنے سے پہلے کچھ اشکالات بیان کیے ہیں اور وہ اشکالات جو شاید ان خاص حالات کا نتیجہ تھے جو ان کے فکری ماحول پر محیط تھا، بیان کرنے کے بعد اس آیت اور اس سے مربوط روایات ذکر کی ہیں۔

پہلے گروہ کا واضح نمونہ ابن تیمیہ ہے اس نے اپنا موقف کتاب منہاج السنۃ میں بیان کیا ہے اس میں اس کی حالت بالکل اس شخص کی طرح ہے جو روز روشن میں اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنی انگلیاں زور سے کانوں میں ٹھونس لے اور چلانا شروع کر دے کہ سورج کہاں ہے۔ نہ تو وہ اپنی آنکھوں کو کھولنے کے لیے تیار ہوتا ہے کہ کچھ حقائق کو دیکھ لے نہ کانوں سے انگلیاں نکالنے پر آمادہ ہوتا ہے کہ کچھ اسلامی محدثین و مفسرین کی داد و فریاد سن سکے بس مسلسل اور پے در پے گالیاں دیئے چلے جا رہا ہے اور ہتک حرمت پر کمربستہ ہے۔ ایسے افراد جہالت، بے خبری، ہٹ دھرمی اور خشونت آمیز تعصب کے ہاتھوں اتنے مجبور ہیں کہ ایسے واضح اور بدیہی مسائل کا بھی انکار کر دیتے ہیں جن کا ہر آدمی آسانی کے ساتھ ادراک کر سکتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی باتیں نقل کرنے کی ہم اپنے آپ کو زحمت دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے جوابات پڑھنے کی تکلیف قارئین کو دیتے ہیں کیونکہ عظیم اسلامی علماء مفسرین جن کی اکثریت علماء اہل سنت میں سے ہے جنہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور جو شخص ان کے خلاف ڈھٹائی سے کہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسی کوئی چیز اپنی کتاب میں نقل نہیں کی، ایسے شخص کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اور ایسے آدمی کی بات کیا وزن رکھتی ہے کہ جس پر ہم بحث کریں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ "ابن تیمیہ" نے اُن بہت سی معتبر کتابوں کے مقابلے میں کہ جن میں اس آیت کے حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اپنی برائت کے لیے اس مضحکہ خیز جملہ پر اکتفا کیا ہے۔

"اُن علماء میں سے جو یہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں کوئی بھی اس آیت کو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوتا نہیں جانتا"

گویا صرف وہ علماء جو ابن تیمیہ کے عناد اور ہٹ دھرمی کے افراط زدہ میلانات کے ساتھ ہم آواز ہیں صرف وہی "سمجھتے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں" ورنہ جو شخص اس کا ہم آواز نہیں ہے وہ ایسا دانشمند ہے کہ جسے یہ پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہ ایسے شخص کی منطق ہے کہ جس کی فکر پر خود خواہی اور ہٹ دھرمی سایہ فگن ہے۔ ہم اس گروہ کا ذکر یہیں پر چھوڑتے ہیں۔

البتہ ان اعتراضات میں سے جو دوسرے گروہ نے کیے ہیں اُن میں سے چند قابلِ بحث ہیں جنہیں ہم ذیل میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ کیا مولیٰ کا معنی اولیٰ بالتصرف ہے؟

اہم ترین اعتراض جو حدیث غدیر کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے یہ ہے کہ "مولیٰ" کے معانی میں سے ایک معنی دوست اور یاور و مددگار بھی ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں یہ معنی مراد نہ ہو!

اس بات کا جواب کوئی مشکل یا پیچیدہ نہیں ہے کیونکہ ہر غیر جانبدار دیکھنے والا شخص جانتا ہے کہ علی کی دوستی کے ذکر اور یاددہانی کے لیے ان مقدمات و تشکیلات، اور خشک جلا دینے والے بیابان کے وسط میں خطبہ پڑھنے، اور لوگوں کو وہاں ٹھہرانے اور اُن سے پے در پے اقرار لینے اور اعتراف کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے دوستی رکھنا مسائل اسلامی میں سے ایک بدیہی ترین مسئلہ تھا جو آغاز اسلام سے ہی موجود تھا۔ علاوہ ازیں یہ کوئی ایسا مطلب نہیں تھا کہ جس کی پیغمبر نے اس وقت تک تبلیغ نہ کی ہو بلکہ آپؐ تو بارہا اس کی تبلیغ کر چکے تھے۔

یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی کہ جس کے اظہار سے آپؐ پریشان ہوں اور خدا کو اس کے لیے تسلی اور حفاظت کی ضمانت دینی پڑے۔

یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں تھا کہ خداوند عالم اس لب ولہجہ کے ساتھ اپنے پیغمبرؐ سے گفتگو کرتا "اگر اس کی تبلیغ نہ کی تو رسالت کی تبلیغ بھی نہ کی" یہ سب چیزیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ یہ مسئلہ ایک عام دوستی سے کہیں اونچا تھا۔ وہ دوستی جو اسلام کے پہلے ہی دن سے اخوت اسلامی کی الف کا حصہ شمار ہوتی تھی۔

علاوہ ازیں اگر اس سے ایک عام اور سادہ دوستی کا بیان کرنا ہی منظور ہوتا تو پیغمبرؐ پہلے یہ اقرار لوگوں سے کیوں لیتے کہ "الست اولیٰ بکم من انفسکم"، یعنی کیا میں تمہاری نسبت تمہارے نفوس پر خود تم سے زیادہ مختار اور صاحبِ اختیار نہیں ہوں؟[۱]

---

[۱] یہ جملہ متعدد روایات میں وارد ہوا ہے۔

کیا یہ جملہ ایک عام دوستی کے بیان کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت رکھتا ہے؟ نیز ایک عام دوستی تو یہ مقام نہیں رکھتی تھی کہ لوگ یہاں تک کہ حضرت عمر جیسی شخصیت بھی حضرت علیؑ کو اس طرح سے مبارک باد اور تہنیت پیش کریں:

"اصبحت مولای و مولا کل مؤمن و مؤمنۃ"

"اے علیؑ! آپ میرے اور ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے مولا ہو گئے۔"

اور اسے ایک نیا منصب اور اعزاز شمار کریں[1]

کیا حضرت علیؑ اس دن تک ایک عام مسلمان کی حیثیت سے بھی پہچانے نہیں گئے تھے۔ کیونکہ ایک مسلمان کی دوستی تو تمام مسلمانوں پر لازم و ضروری ہے۔ کیا مسلمانوں کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے دوستی کرنا کوئی نئی بات تھی کہ جس کے لیے مبارک باد دینے کی ضرورت ہو اور وہ بھی رسول اللہؐ کی عمر کے آخری سال میں۔

علاوہ ازیں کیا حدیث ثقلین اور وداعِ پیغمبرؐ سے تعلق رکھنے والی تعبیرات کا حضرت علیؑ کی دوستی کے مسئلہ سے بھی کوئی ربط ہو سکتا ہے؟ حضرت علیؑ کی مومنین کے ساتھ ایک عام دوستی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اُسے قرآن کے ہم پلہ اور برابر قرار دے دیں۔[2]

کیا ہر غیر جانبدار دیکھنے والا شخص اس تعبیر سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہاں پر مسئلہ رہبری و امامت سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے کیونکہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد قرآن مسلمانوں کا پہلا رہبر ہے لہٰذا اسی بنیاد پر اہل بیت علیہم السلام مسلمانوں کے دوسرے رہبر ہیں۔

۳۔ آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے قبل و بعد کی آیات اہل کتاب اور ان کی غلط کاریوں کے بارے میں ہیں۔ خاص طور پر تفسیر المنار کے مؤلف نے جلد ۶ صفحہ ۴۶۶ پر اس مسئلہ پر زیادہ زور دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم خود اس آیت کی تفسیر میں کہہ چکے ہیں کہ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اس آیت کا لب و لہجہ اور اس کا قبل و بعد کی آیات سے فرق مکمل طور پر یہ نشاندہی کرتا ہے کہ اس آیت میں موضوعِ سخن کوئی ایسی چیز ہے جو قبل و بعد کی آیات سے مختلف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ قرآن ایک کلاسیکی کتاب نہیں ہے کہ جس کے مطالب کو خاص حصوں اور ابواب میں ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ بلکہ جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی اور مختلف حادثات و واقعات رونما ہوتے گئے اُن کے مطابق نازل ہوتا رہا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں قرآن ایک جنگ کے متعلق بحث کرتے کرتے یکایک ایک فروعی حکم کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ یا جب وہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوتا ہے تو اچانک ہی مسلمانوں کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ایک اسلامی حکم اُن کے لیے بیان کر دیتا ہے۔

---

[1] اس واقعہ کے اس حصہ کو کہ جو حدیث تہنیت کے نام سے مشہور ہے، اہل سنت کے بہت سے عظیم علماء حدیث و تفسیر و تاریخ نے متعدد طریقوں سے بہت سے صحابہ سے نقل کیا ہے مثلاً ابن عباس، ابوہریرہ، براء بن عازب اور زید بن ارقم۔ مرحوم علامہ امینی نے الغدیر کی پہلی جلد میں اس حدیث کو اہل سنت کے ساٹھ علماء سے نقل کیا ہے۔

[2] حدیث ثقلین ان متواتر احادیث میں سے ہے جسے اہل سنت کی بہت سی کتابوں میں متعدد صحابہ سے نقل کیا گیا ہے مثلاً ابوسعید خدری، زید ابن ارقم، زید بن ثابت، ابوہریرہ، حذیفہ بن اسید، جابر بن عبداللہ انصاری، عبداللہ بن حنطب، عبد بن حمید، جبیر بن مطعم، ضمرہ اسلمی، ابوذر غفاری، ابو رافع اور ام سلمہ نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے پھر ایک دفعہ اس بحث کی طرف رجوع فرمائیں جو ہم نے اس آیت کی تفسیر کے ابتداء میں کی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض متعصب قسم کے لوگوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ یہ آیت ابتداءِ بعثت میں نازل ہوئی ہے حالانکہ سورۂ مائدہ پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ صرف یہ ایک آیت کریمہ ابتدائے بعثت میں نازل ہوئی ہے اور اس کے بعد کسی مناسبت سے اس سورہ کی آیات کے درمیان آگئی ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ بات تو بالکل اس بات کے الٹ ہے جسے آپ منوانا چاہتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ابتدائے بعثت میں نہ تو پیغمبرؐ یہودیوں کے ساتھ برسرِجنگ تھے اور نہ ہی عیسائیوں کے ساتھ، اس بنیاد پر تو اس آیت کا قبل و بعد کی آیات سے کوئی تعلق ہی نہ رہے گا (غور کیجئے)۔

یہ سب چیزیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ آیت تعصب کے طوفان کی زد میں آگئی ہے اور اسی بنا پر اس میں کئی طرح کے احتمالات پیدا کیے جاتے ہیں۔ جبکہ اس جیسی دوسری آیات میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ ہر ایک اسی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ کسی حیلہ و بہانہ سے یا کسی بے بنیاد دستاویز کے ذریعہ اس کے مفہوم کو اس کے صحیح راستے سے منحرف کر دے۔

۳۔ کیا یہ حدیث تمام کتبِ صحاح میں نقل ہوئی ہے

بعض کہتے ہیں کہ ہم کس طرح اس حدیث کو قبول کر سکتے ہیں جبکہ بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی کتاب میں اسے نقل نہیں کیا ہے۔

یہ اعتراض بھی عجائبات میں سے ہے کیونکہ اول تو بہت سی معتبر احادیث ایسی ہیں جنہیں علمائے اہلِ سنت نے قبول کیا ہے۔ حالانکہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں اور یہ کوئی پہلی حدیث بھی نہیں کہ جس کی یہ وضع و کیفیت ہو۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ کیا ان کے نزدیک صرف یہی دو کتابیں معتبر ہیں؛ حالانکہ یہ حدیث ان کے قابلِ اعتماد منابع اور کتب میں موجود ہے۔ یہاں تک کہ صحاح ستہ (اہلِ سنت کی چھ مشہور کتابیں جن پر وہ اعتماد کرتے ہیں) مثلاً سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے اسی طرح مسند احمد حنبل[2] میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ اور حاکم، ذہبی اور ابن حجر جیسے علماء نے بھی اپنے شہرۂ آفاق تعصب کے باوجود اس حدیث کے بہت سے طرق کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

بنابریں بعید نہیں کہ بخاری و مسلم اس مخصوص فضا اور گھٹے ہوئے ماحول میں صریحاً اپنی کتاب میں ایسی چیز نہ لکھ سکے ہوں یا نہ لکھنا چاہتے ہوں جو اُن کے وقت کے صاحبانِ اقتدار کے مزاج کے خلاف تھی۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے اور اہلِ بیتؑ نے اِس حدیث سے استدلال کیوں نہیں کیا

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر حدیث غدیر اس عظمت کے ساتھ موجود تھی تو خود حضرت علیؑ نے اور ان کے اہلِ بیتؑ اور یار و انصار اور ان سے تعلق رکھنے والوں نے ضروری مقامات پر اس سے استدلال کیوں نہ کیا۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی حقانیت ثابت

---

[1] جلد اول صفحہ ۵۵ و صفحہ ۵۸۔

[2] مسند احمد حنبل جلد اول صفحہ ۸۴-۸۸-۱۱۸-۱۱۹-۱۵۲-۳۳۱-۲۸۱-۳۷۰۔

کرنے کے لیے اس قسم کے اہم مدرک کو سند کے طور پر پیش کرتے۔

یہ اعتراض بھی اسلامی کتابوں سے خواہ وہ حدیث سے متعلق ہوں یا تاریخ و تفسیر سے، عدم واقفیت کا نتیجہ ہے، کیونکہ اہل سنت کے علماء کی کتابوں میں ایسے بہت سے مواقع کا ذکر کیا گیا ہے کہ جہاں پر خود حضرت علیؑ نے یا آئمہ اہلِ بیتؑ نے یا اس مسلک سے تعلق رکھنے والوں نے حدیثِ غدیر سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک واقعہ خود حضرت علیؑ سے متعلق ہے جسے خطیب خوارزمی نے عامر بن واثلہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ عامر کہتا ہے:

میں شوریٰ کے روز حضرت علیؑ کے ساتھ اس گھر میں موجود تھا میں نے خود سنا کہ آپ ارکان شوریٰ سے اس طرح کہہ رہے تھے کہ میں ایک ایسی محکم دلیل تمہارے سامنے قائم کرتا ہوں جسے عرب و عجم مل کر بھی تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تمہیں خدا کی قسم ابتلاؤ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے مجھ سے پہلے خدا کو اس کی توحید و یکتائی کے ساتھ پکارا ہو؟ اس کے بعد آپ نے خاندانِ رسالت کی معنوی عظمتیں بیان کیں یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ اور کوئی شخص ایسا ہے جس کے حق میں پیغمبرؐ نے یہ کہا ہو:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وانصر من نصرہ ولیبلغ الشاھد الغائب

سب نے کہا: نہیں[1]

یہ روایت حموینی نے فرائد السمطین باب ۵۸ میں اور اسی طرح "ابن حاتم" نے "در النظیم" میں، دار قطنی نے اپنی کتاب میں، ابن عقدہ نے اپنی کتاب میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے۔

فرائد السمطین کے باب ۵۸ میں منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے زمانے میں مسجد کے اندر چند لوگوں کی موجودگی میں بھی واقعہ غدیر سے استدلال کیا تھا۔ اسی طرح کوفہ میں ان لوگوں کے سامنے بھی جو پیغمبرؐ کی طرف سے ان کی خلافت بلافصل کے لیے نص ہونے کا انکار کر رہے تھے صراحت کے ساتھ اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ الغدیر کے مطابق اس حدیث (یعنی کوفہ میں واقعہ غدیر سے آپ کے استدلال) کو اہلِ سنت کی مشہور کتابوں اور معروف ماخذوں میں چار صحابہ اور چودہ تابعین سے روایت کیا گیا ہے۔

جنگِ جمل کے دن بھی "حاکم" کی کتاب مستدرک جلد سوم ص۳۷۱ کی روایت کے مطابق طلحہ کے سامنے حدیث غدیر سے استدلال فرمایا۔

نیز جنگِ صفین کے دن "سلیم بن قیس ہلالی" کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے اپنی لشکرگاہ میں مہاجرین و انصار اور اطراف و جوانب سے آنے والے لوگوں کے سامنے اس حدیث سے استدلال کیا۔ اور بدریین (جو جنگ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھے) میں سے بارہ افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ انہوں نے یہ حدیث پیغمبرؐ سے سنی ہے۔

---

[1] مناقب صفحہ ۲۱۷۔

حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ بانفسِ اسلام حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفر، عمار یاسر، قیس بن سعد، عمر بن عبدالعزیز اور عباسی خلیفہ مامون نے بھی اس حدیث کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ عمرو بن عاص نے اس خط میں جو اس نے معاویہ کو اس لیے لکھا تھا تاکہ وہ اس پر اچھی طرح سے یہ بات ثابت کر دے کہ وہ حضرت علیؑ کے مرتبہ و مقام اور معاویہ کی وضع سے متعلق حقائق سے خوب آگاہ ہے، اس خط میں اس نے صراحت کے ساتھ مسئلہ غدیر کا ذکر کیا تھا اور اسے خطیب خوارزمی حنفی نے اپنی کتاب مناقب کے صفحہ ۱۲۴ پر نقل کیا ہے۔

وہ لوگ جو اس سے زیادہ توضیحات کے خواہاں ہیں اور حضرت علیؑ، اہل بیتؑ، صحابہ اور غیر صحابہ کی طرف سے حدیث غدیر سے استدلال کرنے کے بارے میں ان روایات کے مختلف ماخذوں میں بیان سے آگاہ ہونا چاہیں تو وہ کتاب الغدیر جلد اول صفحات ۱۵۹ تا ۲۱۳ کی طرف رجوع کریں۔ علامہ امینی مرحوم نے صحابہ و غیر صحابہ میں سے ۲۲ حضرات سے مختلف مواقع پر اس حدیث سے استدلال کرنے کی روایات پیش کی ہیں۔

۵۔ آیت کے آخری جملہ کا مفہوم کیا ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت حضرت علیؑ کو خلافت و ولایت کا منصب عطا کرنے اور واقعہ غدیر سے مربوط ہے تو پھر یہ آخری جملہ کہ: ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ یعنی "خدا کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا" اس مسئلے سے کیا ربط رکھتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے بس اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ لفظ کفر لغت میں بھی اور اسی طرح قرآن کی زبان میں بھی انکار، مخالفت اور ترک کے معنی میں ہے۔ کبھی انکارِ خدا یا انکارِ نبوتِ پیغمبرؐ کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی دوسرے احکام کے مقابلے میں انکار یا مخالفت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ سورہ آلِ عمران آیت ۹۷ میں حج کے بارے میں ہے:

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین

جو لوگ حج کے حکم کو پامال کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے خدا تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں جادوگروں کے لیے بھی اور ان کے بارے میں بھی کہ جو جادو میں آلودہ نہیں لفظ کفر بولا گیا ہے:

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

سورہ ابراہیم آیت ۲۲ میں بھی ہے کہ شیطان اُن لوگوں کے مقابلے میں کہ جنہوں نے اس کی پیروی اور اطاعت کی، قیامت کے دن صریحاً اظہارِ نفرت کرتے ہوئے اُن سے کہے گا کہ تم نے احکامِ الٰہی کی اطاعت میں مجھے اس کا شریک قرار دیا تھا اور میں آج تمہارے اس کام سے کفر کرتا ہوں۔

"اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ" (ابراہیم۔۲۲)

اس بنا پر کفر کا اطلاق مسئلہ ولایت و رہبری کے مخالفین پر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

۷۔ ایک ہی زمانہ میں دو ولی ہو سکتے ہیں؟

ایک اور بہانہ جو اس متواتر حدیث اور اسی طرح زیر بحث آیت سے روگردانی کے لیے کیا گیا ہے یہ ہے کہ اگر پیغمبر نے حضرت علیؑ کو غدیر خم میں ولایت و رہبری و خلافت کے لیے مقرر کر دیا ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ہی زمانے میں دو رہبر اور دو پیشوا ہو جائیں گے۔

لیکن اس آیت کے نزول اور حدیث کے ورود کے زمانے کے خاص اوضاع و شرائط اور مخصوص حالات و کوائف کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اسی طرح اُن قرائن پر توجہ کرتے ہوئے کہ جو پیغمبرؐ کی گفتگو میں پائے جاتے ہیں یہ بہانہ بھی کلی طور پر برطرف ہو جاتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ واقعہ پیغمبر اسلام کی زندگی کے آخری مہینوں میں واقع ہوا ہے جبکہ آپؐ آخری احکام کو لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ خصوصاً جب کہ آپؐ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ میں بہت جلدی تمہارے درمیان سے جا رہا ہوں اور دو گرانمایہ چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں۔

جو شخص یہ گفتگو کر رہا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے جانشین کے مقرر کرنے کے انتظام میں مصروف ہے اور وہ آئندہ کے لیے پروگرام دے رہا ہے، نہ کہ اپنے زمانے کے لیے۔ لہٰذا اس سے صاف واضح اور روشن ہے کہ اس سے دو امیروں اور دو پیشواؤں کا ایک ہی زمانے میں وجود مقصود نہیں ہے۔

وہ بات جو خاص طور پر لائق توجہ ہے یہ ہے کہ ایک طرف تو بعض علمائے اہل سنت یہ اعتراض پیش کر رہے ہیں تو بعض دوسرے ایسے ہیں جنہوں نے اس کے مقابلے میں ایک اور اعتراض پیش کر دیا ہے اور وہ یہ کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کی ولایت و خلافت کے منصب پر تقرری تو کی ہے لیکن اس کی تاریخ صاف اور واضح طور پر بیان نہیں فرمائی، تو اس صورت میں کیا رکاوٹ ہے کہ یہ ولایت و خلافتِ علیؑ کا بیان دوسرے تین خلفاء کے بعد کے لیے ہو۔

حقیقتاً کتنی حیرت کی بات ہے کہ کوئی چھت کے اُس طرف گر رہا ہے اور کوئی اس طرف۔ لیکن متن واقعہ کو مان لینے میں تعصبات حائل ہو گئے ہیں۔ ذرا کوئی اُن سے یہ تو پوچھے کہ اگر پیغمبر اکرمؐ یہ چاہتے تھے کہ اپنے چوتھے خلیفہ کو معین کریں اور مسلمانوں کے آئندہ کی فکر تھی تو کیوں اپنے پہلے، دوسرے اور تیسرے خلیفہ کا ذکر جس کا تعین چوتھے خلیفہ پر مقدم و لازم تھا غدیر خم کے خطبہ میں نہ فرمایا۔

یہاں ہم اپنا سابقہ بیان دہراتے ہیں اور اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ اگر مخصوص نظریات درمیان میں نہ ہوتے تو یہ تمام اعتراضات اس آیت اور اس حدیث کے سلسلے میں نہ کیے جاتے جس طرح سے کہ دوسرے مواقع پر اس قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے۔

۶۸۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا